حرف ناتراشیدہ

شیخ بشیر احمد

ٹینگہ پورہ نواب بازار سری نگر (کشمیر)، موبائل: 6005368893

وہ لمحہ ایک سانحہ سے کم نہ تھا جو انجانے میں اُسے چھو کر گزرا۔ جس نے اس کے دل کے تاروں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اب وہ لمحہ یاد کرنے سے کیا فائدہ...؟

بولنے کو تو بول گیا۔ ایک روز جب وہ اس کے خواب وخیال میں تتلی بن کر اپنی کنواری خوشیوں کے ساتھ آئی۔ کچھ پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ کب اور کیسے دل میں آن بسی۔ بھلا اسے وہ کیسے روک سکتا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے دل میں بھی آگ لگ چکی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں نے اپنی اپنی مہربانیوں کے دریچے کھول دیے اور ایک دوسرے کے دل میں ارمانوں کی قندیلیں روشن کر دیں۔ منزل کو پانے کی خواہش تھی۔ اس لیے شوق میں آگے بڑھتے رہے۔ وقت کیسے پنکھ لگا کر اُڑ گیا، پتہ ہی نہ چلا۔

آج اچانک اس کے بدلے بدلے سے تیور دیکھے تو وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔ ایسا لگا جیسے اسے اس کے پیار پر بھروسہ اور اعتماد نہ رہا ہو اور اس سے زیادہ کی توقع کرنا بھی سراسر بے وقوفی تھی۔ ابھی وہ اس ادھیڑ بن میں جواب ڈھونڈنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ اسے یاد آیا۔

اُس دن وہ ریلوے اسٹیشن پر کوئی دو گھنٹے سے اس کے انتظار میں کھڑا تھا اور اسے ایک ایک لمحہ پہاڑ جیسا لگ رہا تھا۔ تکان سے سارے بدن کا توازن اس قدر بگڑ گیا کہ پاؤں لڑکھڑانے لگے اور سیدھی سپاٹ کمر دوہری ہونے لگی تھی۔ ٹکٹکی لگائے دیکھنے سے آنکھیں سوجن کی ناقابل برداشت تکلیف میں دکھ رہی تھیں۔ دل وذہن کی کیفیت کچھ ایسی تھی کہ جیسے کوئی خار دار جھاڑی میں ریشمی رومال پھنسا کر کھینچے جا رہا ہو۔ اب وہاں دیر تک ٹکا رہنا اس کے لیے مشکل ہو گیا تھا اور وہ اساطیری پری کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جب کہ اس نے دو دن پہلے اپنی زبان دے دی تھی۔ کوئی اپنا ہوتا جو اُسے یہ سب کچھ بتا دیتا اور وہ فوراً آ کے گلے لگ جاتی۔ ہائے کیسے بیان کرے کہ یقین اور بے یقینی کی صلیب پر کھڑا اس کا وجود لرز رہا تھا۔

سوچتے سوچتے اچانک کتاب دل سے ہاتھ چھو گئے اور اس کے اوراق خود بخود پلٹنے لگے۔ پہلا ہی ورق پڑھا کہ جوانی کا وہ دن آنکھوں کے سامنے گھوم گیا جب پہلی بار اس نے اُسے پولیس ہیڈ کوارٹر کے باہری گیٹ پر کسی پولیس کی کار سے اُترتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اپنی نظریں نیچی کیے گیٹ کے اندر داخل ہوئی تھی۔ نہایت چست لباس زیب تن کیے اس کے شانوں پر سنہرے گھونگریالے بال بکھرے ہوئے تھے اور دوپٹہ گلے سے لپٹا تھا۔ بڑی خوبصورت اور اسمارٹ لگ رہی تھی۔ مانو کسی جنت کی حور سے کم نہ تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ہوش اُڑا کر لے گئی — پھر جب گیٹ کے سامنے کھڑی بلڈنگ کی چڑھتی ہوئی سیڑھیوں تک راہداری میں چلتے چلتے اس کی ایک دو بار جھکی جھکی خموش نظریں اس کی جانب اُٹھیں تو اسے لگا کہ جیسے وہ ہر بار اس کی ترچھی نظروں کی زد میں آ کر گھائل ہوئے جا رہا تھا۔ دراصل آصف یہاں حصول نوکری کے سلسلے میں فارم بھرنے کے لیے آیا تھا اور قطار میں کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔ سامنے کمپاؤنڈ میں اس کے جیسے بیسیوں پڑھے لکھے بیکار نوجوان اِدھر اُدھر چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹے مختلف موضوعات پر بحث کر رہے تھے اور کافی الجھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اُن سے کچھ اور ہی سوچنے میں محو تھا....!

نہ جانے اس شعلہ بدن میں ایسی کیا مقناطیسی کشش تھی کہ آصف پہلی ہی نظر میں اس کی اور کھنچتا چلا گیا....اور اسے اپنے من مندر میں بسا لیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ ایم اے کرنے کے بعد بے کاری سے تنگ آ کر وہ نوکری کے حصول میں دفتروں کے چکر کاٹ لیتا تھا اور پھر جہاں جہاں کہیں خالی موزوں اسامی کی جگہ دیکھ لیتا تو وہاں فوراً جا کر فارم بھر دیتا۔

اس بھاگ دوڑ میں وہ اچانک کہیں نہ کہیں نظر آتی ہی تھی۔ کبھی ایسا ہوا کہ وہ کسی بس اسٹینڈ پر کھڑی، کبھی کسی دکان میں سودا خریدتی ہوئی، کبھی راہ چلتے چلتے.....کبھی کنکھیوں سے گھورنے کے انداز میں اور کبھی والہانہ نظروں سے دیکھ کر مسکرا دیتی۔ کمال کی بات یہ تھی کہ اسے آصف کے دل

کی بات کا اندازہ لگانے میں مشکل نہ ہوئی۔ اسے اس کے ساتھ ایک والہانہ لگاؤ سا پیدا ہوگیا۔ آہستہ آہستہ وہ موم کی طرح پگھلنے لگی اور اسے اپنے قوس قزح کے رنگوں میں سمیٹنے لگی۔ یوں سمجھو کہ وہ تو بس پیار و محبت کی بھول بھلیوں میں کہیں گم ہوکر رہ گئی۔ شاید یہاں یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ عورت اپنے حسن و خوبصورتی پر ناز کرتی رہتی ہے اور جب اس کے جذبات اس کے لیے ناقابل برداشت ہوجاتے ہیں تو وہ کسی بھی مرد کی بانہوں میں کچی ٹہنی کی طرح جا گرتی ہے۔ بیچاری جوان لڑکی تھی وہ....اس کے سینے کے اندر جذبات پھڑ پھڑا رہے تھے جیسے چولہے پر دودھ کی اُبلتی ہوئی ہانڈی سے دودھ کے قطرے ٹپکنے سے بھلا کیا روک سکتی تھی۔ یہ تو شروعات تھی۔ پھر وہ دونوں جب بھی ملتے تھے۔ کبھی کسی سرکاری پارک یا شہر کے باہر سڑک کے کنارے کوئی ویران جگہ پر راز و نیاز کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔

آپ نے بہت سی کہانیاں پڑھی سنی ہوں گی نئی اور پرانی....جیسے لیلیٰ مجنوں، ہیر رانجھا، شیریں فرہاد، انارکلی اور ہی مال و ناگرائیے کی داستان۔ ان کہانیوں کے کردار جو اپنے محبوب کے انتظار میں اکثر دیوانے ہو چکے تھے یا اینٹوں کی دیوار میں چنوا دیے گئے....جو کبھی جنگلوں، بیابانوں اور تپتے ریگستانوں میں بھٹکتے پھرتے رہتے اور کبھی خاموش درختوں تلے چاندنی راتوں میں مدبھرے ورسیلے گیت الاپتے رہتے تھے۔ اُن ہی کی طرح ان کی ملاقاتیں بھی اکثر بیلوارڈ، باغ گل لالہ، اقبال پارک یا نہرو پاک میں ہوا کرتی تھیں یا پھر کسی چنار پیڑ کی چھاؤں تلے ایک دوسرے کے قرب میں بیٹھے بیٹھے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتے.....

اس طرح رفتہ رفتہ محبت پروان چڑھتی گئی اور یوں ملاقاتوں کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ رفاقت اتنی بڑھ گئی کہ انھیں ایک دوسرے کو دیکھے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ جینے مرنے کا عہد کیا۔ پھر ایک دن طے ہوا کہ اپنے ہنر سے اپنے گھر سے بھاگ کر دور کہیں اپنا الگ گھر بسالیں گے.... جہاں اپنا مکان ہوگا۔ ایک آنگن ہوگا۔ ایک آسمان ایک ٹھکانہ اور کیا چاہیے تھا....؟

اُس دن جب وہ دونوں نگین باغ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر راز و نیاز کی باتیں کرنے میں محو تھے کہ اس نے گیسوئے دراز سے لپٹے بدن کو اس کے سینے میں سمو دیا اور بڑی متانت بھرے لہجے میں پوچھا:

''کیا تم ہمیشہ اسی طرح پیار کرتے رہو گے؟''

''ہاں! جان من! اس سے بھی زیادہ مگر اتنا ذرا بتاؤ۔ کیا میرے پیار میں کوئی کھوٹ نظر آئی ہے؟''

''نہیں تو۔ مگر میں نے تم جیسا کوئی بدھو بھی نہیں دیکھا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب ہے ذرا عقل سے کام لیا کرو۔''

میں سمجھا نہیں۔'' آصف اندر ہی اندر اس کی بات پر چھٹپٹا اُٹھا جیسے کسی مدھومکھی نے آکر اُسے ڈس لیا ہو اور اس کا درد ظاہر بھی نہ کرسکا۔

''سمجھاتی ہوں۔ عقل تو کہہ رہی ہے کہ اب ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ چلو کسی بہانے گھر سے بھاگ کر کہیں دور اپنی دنیا بسا لیتے ہیں۔''

وہ اُسے سمجھاتی رہی جیسے کوئی استاد اپنے شاگرد کو سمجھاتا ہے۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔ اس کی ایک چھوٹی سی خواہش نے اسے کہیں کا نہیں رکھ دیا۔ بس سوالوں کے بھنور میں پھنسا دیا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر ڈر لگتا ہے۔ کیا پتہ ایسی حرکت سے ہمارے اپنے جان کے دشمن بن جائیں۔ ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟''

''تو کیا کریں۔ بھاگنے کے سوا اور کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔''

''ہاں سو تو ہے''— اس سے پہلے کہ آصف کچھ بولتا اس نے اس کے کئی بوسے لیتے ہوئے کہا۔

''لیکن ڈر تو اس بات کا ہے کہ کہیں کوئی سن کر ہمارے راستے میں رکاوٹ نہ کھڑی کردے۔''

''کچھ نہیں ہوگا۔ میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی اور پھر کڑکتے بادل زیادہ دیر تک برستے بھی نہیں۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ایک دوجے کے لیے بنے ہیں''— یہ کہتے ہوئے اس نے آصف کی چھاتی پر اپنا سر رکھ دیا۔ اب کی بار اس کے لبوں پر ایک لازوال سی مسکراہٹ تھی۔ کسی اچھے موقع کی تلاش میں گھر سے بھاگ نکل جانے کے لیے اب تیار کھڑی تھی۔ آصف کے دل میں پہلے سے اگر کوئی تھوڑا سا خوف تھا تو وہ اچانک غائب ہوگیا۔

اگلے دن پروگرام کے مطابق اس سے ملنے کی کسک لیے آصف وقت سے پہلے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گیا اور اس کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دو گھنٹے گزر گئے، لیکن وہ کہیں دور دور تک نظر نہیں آرہی تھی۔

اتنے میں دوڑتی بھاگتی ٹرین سیٹی بجاتی ہوئی آئی۔ مایوسی کے عالم میں بس وہ اس کو صرف دیکھتا رہا۔

اس نے کئی بار اُسے فون لگایا مگر ہر بار فون پر کوئی نسوائی آواز کہتی رہی ''موبائل ویسٹ (Engage) ہے کر پیا تھوڑی دیر بعد فون کریں۔''

آصف پریشان ہوا اُٹھا اور سوچتا رہا۔ ضرور اس کے موبائل کی بیٹری ختم ہوئی ہوگی۔ پریشانی کے عالم میں اسے کئی وسوسوں نے گھیر لیا۔ پھر وہ

خود کو دلاسہ دینے لگا۔ کہیں وہ مجھ سے رابطہ نہیں کر پا رہی ہے یا شاید یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وقت پر کوئی آٹو رکشا یا بس نہ ملی ہوگی۔ کئی گھنٹوں تک انتظار کرتے کرتے وہ بے حال ہوگیا تھا۔ پریشانی سے اب اس کا کلیجہ منھ کو آرہا تھا۔ لہٰذا وہ اپنے گھر جانے کے لیے تیار ہوگیا تھا۔

دفعتاً موبائل بج اُٹھا اور اس پر مانوس الفاظ کی لکیر نمودار ہوگئی۔ یہ دیکھ کر اس کے جسم میں ایک خوشی کی لہر دوڑتی چلی گئی اور کانوں میں شہنائیوں اور پٹاخوں کی آواز گونجنے لگی۔ منہ سے بے شمار بے ربط جملے کسی آبشار کی طرح گر پڑے۔

''ہیلو! ہیلو! عجیب قسم کی لڑکی ہو تم۔ فون کیوں نہیں اُٹھایا ابھی تک، جانتی ہو۔ کتنی دیر کر دی تم نے.... ٹرین بھی کب کی آچکی ہے اور جانے کے لیے تیار کھڑی ہے۔ میں پریشان ہو کر اب تھک گیا۔'' آصف نے ایک ہی سانس میں اس سے ڈھیر سارے بے ترتیب سوالات پوچھ ڈالے۔ جسے سن کر وہ بڑی آہستگی سے بڑی معصومیت سے بولی۔

''کیا کروں۔ اب کی بار عقل ایسا قدم اُٹھانے سے روک رہی تھی جب کہ دل نے صلاح دی تو میں جانے کے لیے تیار ہوگئی۔ ارے ہاں!.... جو تم نے اپنے ساتھ بریف کیس میں دو تین جوڑے کپڑے، ایک شال اور سوئٹر رکھ لینے کا مشورہ دیا تھا اس کے لیے شکریہ! ایک چھوٹی سی رقم جو میں نے پس انداز کی تھی۔ وہ ساتھ لائی ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنا موبائل بند کر دیا تھا۔ اس کے آنے کی اطلاع سنتے ہی اس کے اندر جو بے قراری تھی وہ ایک دم دور ہوگئی اور اس کا دل بلیوں اُچھلنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جب وہ آٹو رکشا سے اُتری اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹے سائز کا سوٹ کیس تھا۔ اُتر کر پہلے اِدھر اُدھر ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی اور پھر کسی سوچ میں پڑ گئی۔

آصف اس پر نظر ڈال کر چکرا گیا۔ واقعی وہ اس وقت سبز پری معلوم ہو رہی تھی۔ سبز فراک، شلوار اور ہلکا سبز دوپٹہ اس کے گورے گورے بدن پر خوب پھب پڑ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر معنیٰ خیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی اور آنکھوں میں عجیب سی چمک اور چہرے پہ تازگی تھی۔ کم از کم بظاہر تو یہی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ایک ٹک اسے دیکھا....

وہ بڑی سبک رفتاری کے ساتھ اس کے مدمقابل پلیٹ فارم کی جانب بڑھی کہ وہ اسے آواز بھی دے نہ سکا۔ کھمبے کے پاس کھڑے ایک نوجوان سے چمٹ گئی اور مسکرا دی جیسے وہ اس کا منتظر تھا۔

وہ اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ ڈال کر ایسی شان بے نیازی سے باتیں کرنے لگی کہ برسوں کی جان پہچان نظر انداز کر گئی۔ چونکہ یہ نظارہ دیکھتے ہی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور دل پر جیسے بجلی سی گری....

آصف اس کی حرکات و سکنات استعجاب سے دیکھتا رہا۔ یہ سب دیکھنا اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ پھر جونہی آصف آگے بڑھا تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ فوراً بجلی کی سرعت سے رینگتی ہوئی ٹرین میں سوار ہوگئی اور آصف دور سے ہی سحر زدہ سا اُسے دیکھتا رہ گیا۔

اتنے میں ایک نامعلوم شخص نے آکر آصف کو اس طرح چونکا دیا کہ وہ ٹھیک سے نہ کچھ سن پایا اور نہ کچھ بول سکا۔ اتنی جلدی میں ہاتھ میں ایک لفافہ تھما گیا۔ قبل اس کے کہ آصف خط کے متعلق کچھ پوچھتا۔ کان دبا کر وہ بھاگ گیا....

خط کھول کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا:

''جو آدمی محبوبہ کی خاطر اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی تعلیم اور شادی کی ذمہ داریوں کو فراموش کر کے فرار ہونے پر تیار ہوگیا ہو وہ کسی کی یا اپنی قوم و ملک کی خدمت بھلا کیا کر سکتا ہے؟

میں آج کی پیڑھی کو یہی مشورہ دیتی ہوں کہ وہ جوانی کے نشے میں کوئی ایسا قدم نہ اُٹھائے۔ جس سے ماں باپ کی گردنیں جھک جائیں اور ہنستے مسکراتے گھر بکھر جائیں۔ کیونکہ یہ وقتی جنون دائمی نہیں ایک بلبلے کی طرح ہوتا ہے۔ جو سطح آب پر زیادہ دیر تک ٹھہر نہیں سکتا۔ ہو سکے تو اس بات کو دوسروں تک پہنچانے میں میرا ہاتھ بٹانے میں مدد کریں۔

تمہارے لیے یہ بات بھی بتانا ضروری سمجھتی ہوں کہ میں N.G.O کی ایک رکن بھی ہوں۔ میں نے تمھیں سگریٹ اور دوسری نشہ آور چیزیں پینے کی عادت دیکھی تھی تو وہ مجھ سے گوارہ نہ ہو سکا اور میں نے اسی وقت فیصلہ لے لیا کہ یہ بری عادتیں چھڑائے بغیر نہ رہوں اور تم سے محبت کا ناٹک کھیلوں۔

شکر ہے کہ میں تمھیں اس عادت سے چھڑانے میں کامیاب رہی تو محبت کی پتنگیں اُڑانا کس کام کا ہے۔

چونکہ یہاں سے اب میرا تبادلہ ہوگیا ہے۔ لہٰذا آئندہ ملنے کی حمایت اور توقع نہ کرنا۔

خیر اندیش۔ نرگس''

خط آصف کے ہاتھ میں لرز رہا تھا جسے وہ سنبھال نہیں پا رہا تھا۔ جو اُسے ایک وزنی پتھر سے کم نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ وقت سے پہلے بوڑھا ہو کر اب اس کے بوجھ تلے لڑکھڑانے لگا ہو!!

◆◆◆

◆◆◆